قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ طٰہٰ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

تمھیں کچھ موسیٰ کی سرگذشت بھی پہنچی ہے؟[9] جب اُس نے (دور) ایک شعلہ دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا:[10] تم لوگ ذرا ٹھیرو، مجھے آگ سی دکھائی دی ہے۔[11] (میں وہاں جاتا ہوں)،

۹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر صفات الٰہی کے حوالے سے جو تسلی دی گئی ہے، یہ اُسی کے حقائق اب موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سے سمجھنے کی تشویق ہے۔ مدعا یہ ہے کہ جو کچھ بتایا گیا ہے، اُسے آپ ایک جلیل القدر پیغمبر کی زندگی اور دعوت کی جدوجہد میں بھی دیکھ لیں جو آپ ہی کی طرح خدا کی کتاب اور شریعت کے ساتھ اپنے مخاطبین کے لیے خدا کا فیصلہ لے کر مبعوث ہوئے تھے۔

۱۰ یہ اُس وقت کا قصہ ہے جب موسیٰ علیہ السلام چند سال مدین میں گزارنے کے بعد اپنی بیوی کو لے کر مصر جا رہے تھے۔ قرآن میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک مصری ہلاک ہو گیا تھا اور وہ اِس اندیشے سے کہ اُن کے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں ہو گا، مصر سے بھاگ کر مدین میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ وہاں اُن

لَّعَلِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ہُدًی ﴿۱۰﴾
فَلَمَّاۤ اَتٰہَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ اِنَّکَ بِالۡوَادِ
الۡمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخۡتَرۡتُکَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا یُوۡحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا

شاید اُس میں سے تمھارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں یا آگ پر (بیٹھے ہوئے لوگوں سے) مجھے راستے کا کچھ پتا مل جائے[12]۔ ۹-۱۰

پھر جب وہ اُس کے پاس پہنچا تو آواز آئی: اے موسیٰ، یہ تو میں تمھارا پروردگار ہوں، سو اپنے جوتے اتار دو[13]، اِس لیے کہ تم طویٰ[14] کی مقدس وادی میں ہو۔ اور میں نے تمھیں منتخب کر لیا ہے، لہٰذا جو وحی کی جا رہی ہے، اُس کو توجہ سے سنو[15]۔ اِس میں شبہ نہیں کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ

کی شادی ہوئی اور اپنے خسر کے ساتھ قرارداده مدت پوری کرنے کے بعد اب اُن کے لیے ممکن ہو گیا تھا کہ وہ واپس اپنے لوگوں کے پاس چلے جائیں۔

۱۱؎ اصل میں لفظ 'اٰنَسْتُ' استعمال ہوا ہے۔ اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اُنھوں نے آگ کا کوئی جلتا ہوا الاؤ نہیں، بلکہ ایک شعلہ سا دیکھا تھا جو اچانک چمکا اور غائب ہو گیا اور اُن کے سوا شاید کسی اور کو نظر بھی نہیں آیا۔

۱۲؎ دوسری جگہ تصریح ہے کہ وہ یہ انگارا اِس لیے لانا چاہتے تھے کہ اپنے اہل و عیال کو رات بھر گرم رکھنے کا کچھ سامان کر سکیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ سردی کا زمانہ تھا اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جب وہ وادی طور کے پاس پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور اُنھیں راستے کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

۱۳؎ اِس سے واضح ہے کہ خدا کی بارگاہ میں جوتے اتار کر حاضر ہونا تواضع کے آداب میں سے ہے، لہٰذا عام حالات میں اِسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۱۴؎ یہ اُس میدان کا نام ہے جو کوہ سینا کے دامن میں واقع ہے۔ اِس کو مقدس اِس لیے کہا گیا ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ اپنے پروردگار کی تجلی اور اُس کے کلام سے نوازے گئے۔ اللہ تعالیٰ زمین کے کسی ٹکڑے یا کسی علاقے کو اپنے لیے خاص کر لیں تو اُس کو تقدس حاصل ہو جاتا ہے۔ سرزمین فلسطین کو قرآن کی سورۂ مائدہ (۵) میں اِسی بنا پر 'اَلۡاَرۡضُ الۡمُقَدَّسَۃُ' کہا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاعۡبُدۡنِیۡ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخۡفِیۡہَا لِتُجۡزٰی

نہیں ہے[16]۔ سو میری ہی بندگی کرو[17] اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام رکھو[18]۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت ضرور آنے والی ہے[19] ــــ میں اُس کو چھپائے رکھنے کو ہوں[20] ــــ اس لیے آنے والی ہے کہ

۱۵؎ اِس لیے کہ جس منصب پر تم سرفراز کیے گئے ہو، وہ ایک عظیم ذمہ داری ہے اور تمھیں اُس ذمہ داری کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔

۱۶؎ ہر نبی کو سب سے پہلے یہی تعلیم دی گئی، اِس لیے کہ تمام دین کا انحصار اِسی عقیدے پر ہے۔

۱۷؎ توحید پر ایمان کے بعد دین کا پہلا حکم یہی ہے کہ جب اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو پھر عبادت بھی اُسی کی ہونی چاہیے۔ اِس عبادت کے بارے میں ہم جگہ جگہ بیان کر چکے ہیں کہ اِس کی حقیقت خضوع اور تذلل ہے جس کا اولین ظہور پرستش کی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر انسان کے عملی وجود کی رعایت سے یہی پرستش اطاعت کو شامل ہو جاتی ہے۔ پہلی صورت کے مظاہر تسبیح و تحمید، دعا و مناجات، رکوع و سجود، نذر، نیاز، قربانی اور اعتکاف ہیں۔ دوسری صورت میں آدمی کسی کے لیے خدائی اختیارات مانتا اور مستقل بالذات شارع و حاکم کی حیثیت سے اُس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اللہ، پروردگار عالم کا فیصلہ ہے کہ اِن میں سے کوئی چیز بھی اُس کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی۔

۱۸؎ ایمانیات میں جو حیثیت توحید کی ہے، وہی اعمال میں نماز کی ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات الٰہی کی تذکیر سے خدا کی جو معرفت حاصل ہوتی اور اُس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور شکر گزاری کے جو جذبات انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں یا ہونے چاہییں، اُن کا پہلا ثمرہ یہی نماز ہے۔

۱۹؎ اثبات قیامت کے پہلو بہ پہلو اُس کی قطعیت پر یہ زور اِس لیے ہے کہ بالعموم لوگ اُس کو مستبعد سمجھتے رہے ہیں۔ اُنھیں کسی طرح باور نہیں آتا کہ مرنے کے بعد جب مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

۲۰؎ یہ الفاظ آیت کے بیچ میں بطور جملۂ معترضہ کے آئے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... یہ جملۂ معترضہ نہایت بلیغ ہے۔ صرف یہ نہیں فرمایا کہ میں قیامت کو چھپائے رکھوں گا، بلکہ فرمایا کہ قریب ہے کہ میں اُس کو چھپائے ہی رکھوں۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ لفظ 'اَکَادُ' سے جملے کے اندر یہ مضمون پیدا ہو گیا ہے کہ ہر چند میں نے تو ابھی قیامت پر پردہ ڈال رکھا ہے اور یہ پردہ ابھی ڈالے ہی رکھوں گا، لیکن خود قیامت کا یہ حال ہے کہ وہ بے نقاب ہو جانے کے لیے بالکل بے قرار ہے۔'' (تدبر قرآن ۵/ ۳۳)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ

ہر شخص کو اُس کے عمل کا بدلہ دیا جائے[۲۱]۔ چنانچہ کوئی ایسا شخص جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں کا پیرو ہے، تم کو نماز سے[۲۲] روک نہ دے کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔ ۱۱-۱۶

اور یہ تمھارے ہاتھ[۲۳] میں کیا ہے[۲۴]، اے موسیٰ! اُس نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اِس پر ٹیک لگاتا

۲۱؎ یہ قیامت کا مقصد بیان کر دیا ہے کہ وہ اِس لیے اٹل اور شدنی ہے کہ لوگوں کو اُن کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ کارخانۂ ہستی کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے، اِس سے زیادہ اِس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پھر اِس میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے عمل ہی کا بدلہ پائے اور کسی کی سفارش و شفاعت یا رشتہ و پیونداُس کے بارے میں خدا کے فیصلے پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ آیت میں 'بِمَا تَسْعٰى' کا لفظ اِسی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۲؎ اصل میں 'هَا' کی ضمیر ہے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ اِس کا مرجع بھی قیامت ہی کو ہونا چاہیے، مگر زبان کا ذوق رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِس کے لیے 'يَصُدَّنَّ' کا فعل کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ یہ اِس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اِس کا مرجع نماز ہے جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ پھر روکنے والے کی جو صفات بیان ہوئی ہیں، وہ بھی ترک نماز کے ساتھ لازم و ملزوم کا رشتہ رکھتی ہیں۔ اِس طرح کے قرائن موجود ہوں تو ضمیر کا انتشار کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ اِس سے، اگر غور کیجیے تو کلام میں ایجاز کا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہود کی بدقسمتی ہے کہ اُنھوں نے نماز بھی ضائع کر دی اور آخرت کو بھی بھلا بیٹھے، دراں حالیکہ اُن کے پیغمبر کو سب سے پہلے اِنھی دو چیزوں کی تعلیم دی گئی تھی۔

۲۳؎ اصل میں لفظ 'يَمِيْن' آیا ہے۔ یہ دائیں بائیں کے مفہوم سے مجرد ہو کر محض ہاتھ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ یہ اِسی معنی میں ہے۔

۲۴؎ یہ سوال طلب علم کے لیے نہیں، بلکہ التفات و نوازش کے اظہار کے لیے ہے تاکہ حضرت موسیٰ اُس لاٹھی کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں جس سے حیرت انگیز معجزے ظہور میں آنے والے تھے۔

بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿۱۸﴾قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾فَاَلْقٰهَا
فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴿۲۰﴾قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴿۲۱﴾
وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ﴿۲۲﴾لِنُرِیَكَ
مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۲۳﴾

ہوں اور اِس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں[۲۵] اور اِس میں میرے کچھ دوسرے کام بھی ہیں[۲۶]۔ فرمایا: اِس کو (زمین پر) ڈال دو، اے موسیٰ! اِس پر موسیٰ نے لاٹھی کو (زمین پر) ڈال دیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے۔ فرمایا: اِس کو اٹھا لو اور ڈرو نہیں، ابھی ہم اِس کو ویسا ہی کر دیں گے، جیسی یہ پہلے تھی۔ اور اپنے ہاتھ کو (ذرا) تم اپنے بازو کی طرف سکیڑو، وہ بغیر کسی بیماری کے[۲۷] سفید ہو کر نکلے گا، ایک دوسری نشانی کے طور پر[۲۸]۔ یہ اِس لیے کہ (اِن کے ذریعے سے) ہم اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں تمھیں دکھائیں[۲۹]۔ ۱۷-۲۳

۲۵؎ پتے بالعموم درختوں سے اور بکریوں کے اوپر جھاڑے جاتے ہیں۔ آیت میں 'عَلٰی غَنَمِیْ' کے الفاظ اِسی رعایت سے آئے ہیں۔

۲۶؎ موسیٰ علیہ السلام جواب میں صرف اتنی بات بھی کہہ سکتے تھے کہ حضور، یہ لاٹھی ہے۔ مگر اُنھوں نے سوال کے انداز سے بھانپ لیا کہ التفات خاص کا موقع ہے، چنانچہ لمبا جواب دیا۔ گویا وہی صورت پیدا ہو گئی کہ —— 'لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم'۔ استاذ امام کے الفاظ میں، مخاطب کرنے والا محبوب و مطلوب ہو تو گفتگو کو طویل کرنے کی خواہش ایک امر فطری ہے۔

۲۷؎ یہ اضافہ صاف واضح کر رہا ہے کہ یہاں بائیبل کی تردید مقصود ہے جس میں ہاتھ کی سفیدی کو برص بتایا گیا ہے۔

۲۸؎ یعنی اُسی طرح ایک نشانی کے طور پر جیسے عصا سانپ بن جائے گا۔ اِس میں، ظاہر ہے کہ کسی بیماری کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ ہاتھ کی سفیدی مستقل نہیں تھی، بلکہ اُسی وقت ظاہر ہوتی تھی، جب اُسے ایک نشانی کے طور پر دکھانے کے لیے بغل میں ڈال کر نکالا جاتا تھا۔

۲۹؎ اشارہ ہے اُن بڑی بڑی نشانیوں کی طرف جو بعد میں اِنھی دو نشانیوں کے اندر سے ظاہر ہوتی رہیں۔

www.javedahmadghamidi.com

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْلِیْٓ

(اچھا، اب) فرعون کے پاس جاؤ،[30] وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔[31] موسیٰ نے عرض کیا:[32] پروردگار، تو

انبیا علیہم السلام کو معجزات بالعموم اُن کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں دیے جاتے ہیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام کو یہ ابتدا ہی میں اِس لیے دے دیے گئے کہ وہ ایک منتقم وجبار اور سرکش بادشاہ کی طرف رسول بنا کر بھیجے جا رہے تھے جو آسانی کے ساتھ اُن کی کوئی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں اُن کو دو ایسے معجزوں سے مسلح کر دیا جن کی مدد سے وہ اپنے دشمن کی ہر تعدی سے محفوظ رہے اور اُنھوں نے فرعون کے سامنے جاتے ہی، جیسا کہ آگے کی آیات سے واضح ہو گا، اپنے اِن معجزات کا اظہار بھی کر دیا تاکہ وہ خبردار رہے کہ اگر اُس نے کوئی غلط اقدام کیا تو وہ بھی خالی ہاتھ نہیں آئے ہیں، بلکہ اُن کے ہاتھ میں بھی وہ عصا ہے جو ہر کبر و غرور کا سر پاش پاش کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔'' (تدبر قرآن ۵/ ۳۶)

۳۰؎ مصر کے اصل باشندے قبطی تھے۔ اُن کی طرف بھیجنے کے بجاے یہ فرعون کی طرف جانے کی ہدایت اِس لیے کی گئی ہے کہ اُس وقت کے نظام میں بادشاہ کے دل و دماغ کو مفتوح کیے بغیر اُس کی رعایا تک دعوت پہنچانا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

۳۱؎ یہاں اجمال ہے، لیکن دوسرے مقامات میں قرآن نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ فرعون سورج دیوتا کے مظہر کی حیثیت سے خود رب اعلیٰ بنا ہوا تھا اور خدا کے بندوں پر اُس کے مظالم اِس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ بنی اسرائیل کے بیٹے قتل کر دیے جاتے تھے اور صرف لڑکیاں لونڈیوں کی خدمت انجام دینے کے لیے زندہ رکھی جاتی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام اِن سب چیزوں سے واقف تھے، بلکہ خود ظلم و عدوان ہی کے اندیشے سے جلاوطنی کی زندگی گزار کر آ رہے تھے، اِس لیے قرآن نے صرف اشارے پر اکتفا کی ہے۔

۳۲؎ یہ اِس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جس کی کوئی نظیر انبیا علیہم السلام کی تاریخ سے بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...اِس دعا کے لفظ لفظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اِس بوجھ کو کتنا بھاری محسوس کیا ہے اور کس دل سوزی کے ساتھ اِس بارگراں کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے مدد و رہنمائی کے لیے التجا کی ہے۔ دنیا پرست لیڈروں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ لیڈری ہی کی ہوس میں جیتے اور اُسی کے عشق میں مرتے ہیں، لیکن حضرات انبیا علیہم السلام کا سینہ اِس ہوس سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ اُن کو اللہ تعالیٰ جب امامت کے منصب پر

اَمۡرِیۡ ﴿۲۶﴾ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ﴿۲۷﴾ یَفۡقَھُوۡا قَوۡلِیۡ ﴿۲۸﴾ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا
مِّنۡ اَھۡلِیۡ ﴿۲۹﴾ ھٰرُوۡنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشۡدُدۡ بِہٖۤ اَزۡرِیۡ ﴿۳۱﴾ وَاَشۡرِکۡہُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۳۲﴾

میرا سینہ کھول دے[۳۳] اور میرے کام کو میرے لیے آسان بنا دے[۳۴] اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے کہ لوگ میری بات کو سمجھیں[۳۵]۔ اور میرے خاندان سے تو میرے لیے ایک وزیر مقرر کر دے۔

مامور فرماتا ہے تو وہ اُس کی ذمہ داریوں کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ جب اُس نے اُن پر یہ بوجھ ڈالا ہے تو وہی اُس کے اٹھانے کے لیے ہمت و قوت بخشے اور ہر قدم پر دست گیری و رہنمائی فرمائے۔''

(تدبر قرآن ۵/ ۳۷)

۳۳ موسیٰ علیہ السلام پر جس عظیم منصب کی ذمہ داری ڈالی جا رہی تھی، اُس کو سنبھالنے کے لیے جیسا کچھ اضطراب و تردد کسی فرض شناس آدمی کو ہو سکتا ہے، یہ اُس کو دور کرنے کی درخواست ہے اور اِس لیے کی گئی ہے کہ سینے کی یہ خلش اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت ہی سے دور ہوتی ہے۔

۳۴ پہلی درخواست دل و دماغ کے اندر کی خلش دور کرنے کے لیے تھی۔ یہ اب حالات کی مساعدت، راہ کی ہمواری اور پیش نظر مقصد کے حصول میں کامیابی کی درخواست ہے۔

۳۵ اُس زمانے میں دوسروں تک اپنی بات پہنچانے کا موثر ترین ذریعہ خطابت تھی۔ دوسری جگہ وضاحت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوئی زبان آور خطیب نہیں تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے درخواست کی کہ جس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اُنھیں بھیجا جا رہا ہے، اُس کے لیے اظہار و بیان کی قوت بھی عطا فرمائی جائے تاکہ اپنی دعوت کو وہ اِس طرح پیش کر سکیں کہ مخاطبین اُن کی بات کو سمجھیں اور وہ اُن کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو۔ اُنھوں نے یہ درخواست، اگر غور کیجیے تو غایت درجہ تواضع کے اسلوب میں پیش کی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...حضرت موسیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ مجھے دلوں کو تسخیر کرنے والا ایک جادو بیان خطیب بنا دے، بلکہ نہایت خاکسارانہ انداز میں فرمایا کہ میری زبان کو وہ روانی عطا فرما کہ لوگ میری بات سمجھیں۔ یہ دعا کرنے کے لیے لکنت کا مریض ہونے کی ضرورت نہیں ہے، (جیسا کہ لوگوں نے بالعموم سمجھا ہے)، بلکہ ایک قادر الکلام بھی یہ دعا کرتا ہے اور اُسے کرنی چاہیے۔ بسا اوقات معانی و حقائق کا جوش اِس طرح سینے میں امنڈتا ہے کہ ایک قادر الکلام آدمی بھی اپنی زبان اور اپنے قلم کو اُس کی تعبیر سے قاصر محسوس کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو عام لیڈروں کی طرح صرف نعرہ نہیں لگانا تھا، بلکہ دین کے حقائق و اسرار کی تفہیم کرنی تھی اور وہ بھی ایسے لوگوں کے سامنے جو نہ صرف اُن کی تکذیب پر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

كَيۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ﴿۳۵﴾
قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۳۶﴾

ہارون کو، جو میرا بھائی ہے[۳۶]۔ اُس کے ذریعے سے تو میری کمر کو مضبوط کر اور اُس کو میری ذمہ داری میں شریک بنا دے[۳۷] کہ ہم زیادہ سے زیادہ تیری تسبیح و تقدیس کریں اور زیادہ سے زیادہ تیرا چرچا پھیلائیں[۳۸]۔ بے شک، تو برابر ہمارے حال پر نگران رہا ہے[۳۹]۔ فرمایا: تمھاری درخواست منظور ہوئی، اے موسیٰ![۴۰] ۲۴-۳۶

ادھار کھائے بیٹھے تھے، بلکہ اُن کی جان کے دشمن تھے۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ حضرت موسیٰ کو صرف چھدا اتارنے کی خواہش نہیں تھی، بلکہ وہ اپنے مخالفوں کے دل میں اتر جانے کا ارمان رکھتے تھے۔ مخالفوں سے تو یہ امید نہ تھی کہ اُن کے دل اور ہو جائیں گے، اِس لیے اُنھوں نے اپنے رب سے زبان ہی اور مانگی تا کہ اُن کو اپنی بات سمجھا سکیں۔''

(تدبر قرآن ۵/۴۰)

۳۶؎ قرآن کے دوسرے مقامات میں تصریح ہے کہ یہ درخواست بھی اصلاً اُسی قوت کی تلافی کے لیے کی گئی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ یہودی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام اپنی قوم میں فصاحت بیان کے لیے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ جب میرا بڑا بھائی اُن تمام صفات سے متصف ہے جو پیش نظر ذمہ داری کو ادا کرنے میں معاون ہو سکتی ہیں تو اُسی کو میرا وزیر بنا دیا جائے۔ اِس سے واضح ہے کہ اپنے بھائی کو اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی وہ پوری طرح اِس منصب کا اہل سمجھتے تھے۔

۳۷؎ یعنی میں صرف ایک ساتھی نہیں چاہتا، بلکہ اپنے ساتھ ایک شریک نبوت چاہتا ہوں تا کہ اُسے بھی میری طرح براہ راست آپ کی رہنمائی اور آپ کی طرف سے عصمت حاصل ہو اور اِس فریضۂ نبوت کو وہ بھی اپنے آپ کو مسئول اور ذمہ دار سمجھ کر ادا کرے۔ یہ درخواست غیر معمولی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کسی نبی کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ ایک دوسرا نبی اُس کا وزیر بنایا گیا ہو۔

۳۸؎ مدعا یہ ہے کہ اپنے علم و عمل اور انذار و تبلیغ میں صبح و شام ہر جگہ، خلوت ہو یا جلوت اِسی ذکر و تسبیح میں لگے رہیں، اِس لیے کہ یہی ایمان کا اظہار اور یہی فریضۂ نبوت کی ادائی ہے۔ آیت میں اِس کے لیے دو لفظ، ایک تسبیح اور دوسرا ذکر استعمال ہوئے ہیں۔ استاذ امام نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذۡ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ
اقۡذِفِيۡهِ فِى التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ

اور (یاد کرو)، ہم تمھارے اوپر ایک مرتبہ اور بھی احسان کر چکے ہیں، جب ہم نے تمھاری ماں کو وہ بات الہام کی تھی[41] جو (اِس وقت تمھیں) وحی کی جا رہی ہے[42] کہ اِس بچے کو صندوق میں

”...تسبیح میں تنزیہ کا پہلو غالب ہے اور ذکر میں اثبات کا اور یہ نفی و اثبات، دونوں خدا کے ساتھ صحیح تعلق کو استوار رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ جو چیزیں خدا کی شان، اُس کی صفات اور اُس کی مرضیات و احکام کے منافی ہیں، اُن کی نفی کی جائے اور جو چیزیں اُس کی شان، اُس کی صفات اور اُس کے احکام کے موافق ہیں، اُن کا اثبات و اظہار کیا جائے۔ اِن دونوں چیزوں سے مل کر مومن کا عقیدہ اور کردار بنتا ہے۔ اور نفی اثبات پر مقدم ہے۔ جب تک آپ ماسوی اللہ سے بغاوت کا اعلان نہیں کرتے، اُس وقت تک آپ اللہ کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ 'اِلَّا اللّٰه' سے پہلے 'لَا اِلٰهَ' کا اعلان ضروری ہے۔“ (تدبرقرآن ۵/۴۱)

۳۹؎ یہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا کے حق میں خود اپنے پروردگار ہی کے فضل و کرم کو سفارش میں پیش کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری شفقت بن مانگے ہم دونوں کو حاصل رہی ہے اور تو برابر ہمارے حال پر نگران رہا ہے۔ پھر تیری عنایتوں سے اب کس طرح محروم ہو سکتے ہیں، جب کہ ہم تیری ہی دعوت لے کر اٹھ رہے ہیں؟

۴۰؎ سبحان اللہ، کیا شان کریمی ہے! استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یہاں موسیٰ کے خطاب میں بھی بڑا پیار ہے اور منظوری کے الفاظ میں بھی بڑی شان جھلک رہی ہے۔ دعا کے ختم ہوتے ہی بشارت سنا دی گئی کہ تمھاری عرضی منظور! گویا بہ یک جنبش قلم، بلا کسی توقف اور بلا کسی استثنا کے سب منظور! ظاہر ہے کہ اِس منظوری میں اُن کی وہ دعا بھی شامل ہے جو اُنھوں نے اظہار و بیان کی قوت بخشے جانے کے لیے کی۔ وہ بھی اُن کو عطا ہوئی اور حضرت ہارون اُن کے وزیر بھی بنا دیے گئے۔“ (تدبرقرآن ۵/۴۲)

۴۱؎ اِس الہام کی نوعیت، ظاہر ہے کہ یہی رہی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بات اُن کے دل میں ڈال دی اور اُنھیں اطمینان بھی ہو گیا کہ یہ خدا کی ڈالی ہوئی بات ہے، ورنہ ایک ماں کے لیے اِس طرح کا اقدام آسان نہیں تھا۔ اِس کے بعد بھی، نہیں کہا جا سکتا کہ اُنھوں نے کس دل و جگر سے اور کس طرح کلیجے پر پتھر رکھ کر اپنی اِس متاع عزیز کو دریا کی موجوں کے سپرد کیا ہو گا۔

۴۲؎ موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات اُن کی والدہ ماجدہ نے ضرور بتائی ہو گی، لیکن اِس کے اندر دست غیب کی جو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ
اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

رکھو، پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو۔[43] پھر دریا اُس کو کنارے پر ڈال دے[44] کہ اُس کو وہ شخص اٹھا لے جو میرا بھی دشمن ہے اور اِس بچے کا بھی دشمن ہے۔[45] اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت کا ایک پرتو ڈال دیا تھا تاکہ وہ بھی شفقت کے لیے مجبور ہو جائے[46] اور تاکہ تم میری نگرانی میں پالے جاؤ۔[47] اُس وقت جب تمھاری بہن (اجنبی بن کر) بار بار جاتی، پھر اُن سے کہتی تھی[48] کہ (تم کہو تو) میں

کارفرمائیاں تھیں، اُن کی طرف اب اُنھیں وحی کے ذریعے سے توجہ دلائی جا رہی ہے۔

۴۳؎ یہ ہدایت اِس لیے کی گئی کہ فرعون نے اُس زمانے میں اسرائیلی بچوں کے قتل کا حکم دے رکھا تھا۔ سورۂ قصص (۲۸) کی آیت ۴ میں قرآن نے اِس کی صراحت فرمائی ہے۔ یہاں اِس واقعے کی یاددہانی سے مقصود یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا اضطراب رفع کیا جائے کہ بغیر کسی تردد کے وہ فرعون کے پاس جائیں اور اطمینان رکھیں کہ جس خدا نے اُس وقت اُنھیں بچالیا تھا، وہی اب بھی حفاظت فرمائے گا۔ وہ اُن کے ساتھ ہے، اِس لیے اُنھیں اِس مہم سے ہرگز کوئی اندیشہ محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۴۴؎ یعنی ایک طرف تمھاری ماں کے دل میں وہ بات ڈالی گئی اور دوسری طرف دریا کو بھی یہ حکم دے دیا گیا۔

۴۵؎ یہ حوالہ اِس لیے دیا گیا ہے کہ اب خدا اِسی دشمن سے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرانے والا تھا۔ چنانچہ قرآن اور بائیبل، دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہوا اور فرعون اور اُس کی بیوی نے نیل کے کنارے سیر کرتے ہوئے بچے کو صندوق میں دیکھا اور اِس خیال کے باوجود کہ یہ غالباً کوئی اسرائیلی بچہ ہے جسے قتل کے اندیشے سے تن بہ تقدیر دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا گیا ہے، اُن کے دل میں ایسا رحم پیدا ہوا کہ اُنھوں نے اُسے اٹھا لیا۔

۴۶؎ یہ جملہ معللہ کا معطوف علیہ ہے جو اصل میں محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بچہ یوں بھی موہنا ہی ہوتا ہے، لیکن ہم نے مزید عنایت یہ کی کہ تمھاری حفاظت کے لیے تم پر اپنی طرف سے محبت کا ایک پرتو بھی ڈال دیا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ’’...کون اندازہ کر سکتا ہے اُس بچے کے موہنے پن کا جس پر محبت الٰہی کا پرتو ہو! ایک ایسا موہنا بچہ جب وہ سرکنڈوں کی ایک ٹوکری میں، دریا کی موجوں کا پھینکا ہوا، یکہ وتنہا، معصومیت و دل آویزی کی مورت بنا ہوا پڑا ہو تو

وَلَا تَحۡزَنَ ﴿۴۰﴾

تمھیں اُن لوگوں کا پتا دوں جو اِس بچے کی پرورش کریں؟ اِس طرح ہم نے تم کو تمھاری ماں کی طرف لوٹا دیا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اُس کو غم نہ رہے[۴۹]۔ ۳۷-۴۰

آخر کس کا دل اُس کو دیکھ کر تڑپ نہیں جائے گا! فرعون آخر فرعون ہی تھا، کوئی پتھر تو نہیں تھا۔'' (تدبر قرآن ۵/ ۴۴)

۴۷؎ یعنی محبت کا جو پرتو تم پر ڈالا گیا، وہ تمھارا محافظ بن جائے اور فرعون جیسا دشمن بھی شفقت کے لیے مجبور ہو جائے۔ آیت میں 'لِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ' کے الفاظ سے اِسی حفاظت اور نگرانی سے تعبیر فرمایا ہے۔

۴۸؎ اصل میں مضارع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور مضارع سے پہلے ایک فعل ناقص عربیت کے قاعدے سے محذوف ہے۔ ترجمے میں بار بار جانے کی صراحت اسی بنا پر کی گئی ہے۔

۴۹؎ یہاں اجمال ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دریا میں ڈالے جانے کے بعد اُن کی ماں کی طرف لوٹائے جانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہ تدبیر سورۂ قصص (۲۸) کی آیات ۷-۱۳ میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...جب فرعون کی بیوی نے بچے کو دیکھا تو اُنھوں نے فرعون سے کہا کہ بڑا موہنا بچہ ہے۔ اِس کو قتل نہ ہونے دو۔ یہ میری اور تمھاری، دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اِس کو لے پالک بنا لیں گے۔ اِدھر والدۂ حضرت موسیٰ کا یہ حال تھا کہ اُنھوں نے بچے کو ایماے خداوندی سے دریا میں ڈال تو دیا، لیکن غم سے کلیجا پھٹا جا رہا تھا۔ اُنھوں نے حضرت موسیٰ کی بہن سے کہا کہ وہ دیکھتی رہیں کہ صندوق کدھر بہ کے جاتا ہے۔ وہ لوگوں کی نظر بچا کر اُس کو دیکھتی رہیں۔ بالآخر اُن کو معلوم ہو گیا کہ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچا اور وہاں دریا نے اُس کو کنارے پر ڈال دیا اور فرعون اور اُس کی بیوی نے بچے کو اٹھا لیا۔ حضرت موسیٰ کی بہن فرعون کے محل میں پہنچیں۔ وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ بچے کو کسی دایہ کا دودھ پلانے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن بچہ مچلا ہوا ہے، وہ کسی کی چھاتی منہ ہی سے نہیں لگاتا۔ حضرت موسیٰ کی بہن نے فرعون کی بیوی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر آپ لوگ کہیں تو میں ایک ایسے گھر والوں کا پتا دے سکتی ہوں جو اِس بچے کی نہایت اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے اور بچے کو مانوس کر لیں گے۔ چونکہ حضرت موسیٰ کے دودھ نہ پینے کے سبب سے فرعون اور اُس کے گھر والوں کو نہایت پریشانی تھی، اِس وجہ سے یہ تجویز مان لی گئی اور اِس طرح حضرت موسیٰ پھر اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئے۔''

(تدبر قرآن ۵/ ۴۶)

www.javedahmadghamidi.org

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾

اور (یاد کرو کہ) تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔[50] پھر ہم نے تم کو اِس غم سے بھی نجات دی[51] اور تم کو خوب خوب جانچا۔[52] پھر (ہماری عنایت سے) تم کئی سال مدین کے لوگوں میں رہے۔[53] پھر ٹھیک ایک اندازہ کیے ہوئے وقت پر (یہاں) پہنچ گئے ہو، اے موسیٰ![54] اور (اب اِن سب مراحل سے گزار کر) میں نے تمھیں اپنے (اِس کارِ خاص کے) لیے تیار کر لیا ہے۔[55] ۴۰-۴۱

۵۰؎ سورۂ قصص (۲۸) میں ہے کہ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے، جب حضرت موسیٰ جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور گاہے گاہے اپنی قوم کے حالات کو دیکھنے کے لیے فرعون کے محلات سے نکل کر شہر میں جاتے رہتے تھے۔ ایک دن اِسی طرح جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک اسرائیلی اور ایک قبطی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ سے فریاد کی۔ وہ اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھے تو قبطی اُن سے الجھ پڑا۔ اِس پر اُنھوں نے اُس کو ایک گھونسا مارا جو کہیں ایسا بے ڈھب پڑا کہ قبطی وہیں ڈھیر ہو کے رہ گیا۔

۵۱؎ یہ قتل اگرچہ بلا قصد ہوا تھا، مگر حضرت موسیٰ ایک خدا ترس آدمی تھے، لہٰذا سخت غم زدہ ہوئے کہ یہ کیا حادثہ ہو گیا ہے جس پر ہو سکتا ہے کہ مجھے خدا کے ہاں مسئول ٹھیرایا جائے۔ پھر اُنھیں یہ تردد بھی تھا کہ ممکن ہے جس کو مظلوم سمجھ کر اُس کی حمایت میں یہ فعل اُن سے صادر ہوا، زیادتی اُسی کی رہی ہو۔ اِسی طرح یہ چیز بھی باعث غم ہوئی ہو گی کہ فرعونیوں سے انصاف کی توقع نہیں ہے، وہ لازماً اِسے قتل عمد ٹھیرائیں گے۔ چنانچہ سورۂ قصص (۲۸) ہی میں ہے کہ اُنھوں نے بہت استغفار کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی غلطی معاف کر دی اور وہ غم کی اِس حالت سے نکل آئے۔

۵۲؎ یعنی ہر طرح کی آزمایشوں سے گزارا تا کہ جس عظیم ذمہ داری کے لیے اُن کو منتخب کرنا مقصود ہے، وہ اُس کے پوری طرح اہل بن جائیں۔

۵۳؎ یعنی تم کو وہاں پناہ مل گئی، تمھارا گھر آباد ہوا اور تم فرعونیوں کی نگاہ میں ایک مجرم قرار پا جانے کے باوجود اُن کے تعاقب سے بچے رہے۔

۵۴؎ یعنی ٹھیک ہماری اسکیم اور ہمارے مقرر کیے ہوئے پروگرام کے مطابق پہنچ گئے ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۵۵؎ مطلب یہ ہے کہ اتنی بھٹیوں سے تپا کر اور اتنے امتحانوں میں ڈال کر تیار کر لیا ہے تو اب یہ ذمہ داری تم کو اٹھانی ہی ہے۔ اِن سب مراحل سے تم اِسی کے لیے گزارے گئے ہو۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com